تحریر: محمد دین قاسمی گکھڑ منڈی

"جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے ہر شعبۂ حیات کے لیے وسیع اصولی ہدایات پیش کرتا ہے اس میں عقیدے کی حیثیت سجن قلب کے قیدی کی سی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسے حکمران کی ہے جس کی فرمانروائی انسانی جسم کے اعضاء وجوارح کی جمیع حرکات وسکنات پر حاوی ہے۔ اسلام اپنے عقیدے کو ضمیر کی خلوت گاہ میں گوشہ گیر کر کے نہیں رکھ دیتا بلکہ یہ اپنے عقیدے کو عملی زندگی کی رگ رگ میں اتار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات، صرف عقیدے ہی کی درستی کے تقاضے پورے نہیں کرتیں بلکہ میدانِ عمل کے ہر گام کے مقتضیات کی ادائیگی بھی ان کے ذمہ ہے۔ اسلام صرف اس پر ہی بحث نہیں کرتا کہ خدا اور انسان کے تعلقات کیا ہیں بلکہ وہ اس پر بھی بحث کرتا ہے کہ اس ہنگامۂ کائنات میں انسان کے انسان کے ساتھ تعلقات وروابط کیا ہیں۔ اسلام اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کراتا ہے کہ جس کائنات میں تم رہ رہے ہو اس کے موجودات وقوانین کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے ان تمام علائق وروابط کے درمیان ایک ایسی ہم آہنگی اور یک جہتی پائی جاتی ہے جو بنی آدم کی تمام کد وکاوش کو خواہ وہ کسی میدانِ عمل یا شعبۂ حیات سے متعلق ہو ایک ہی نصب العین کی خدمت کے راستوں پہ گامزن کر دیتی ہے اور وہ نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ خوشنودیٔ خالق کی خاطر انسان کا دائرۂ عمل صرف مسجدوں اور معبدوں کی چار دیواری تک محدود نہیں ہے بلکہ اجتماعی ماحول کو صبغۃ اللہ میں رنگ دینے کے لیے میدانِ معاشرت میں کوشاں ہونا، شعبۂ سیاست میں ساعی ہونا، نظام معیشت میں مجاہدہ کرنا، کوچۂ عدالت میں گامزن ہونا بھی اس کے دائرۂ فرائض میں شامل ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ وہ خوشنودیٔ باری تعالیٰ کی خاطر مسجد کے اندر تو خدا کی اطاعت کرنے کا مجاز ہے،

لیکن اس سے باہر کی دنیا میں سیاست و عدالت، معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن کے شعبوں میں وہ اس خدا کی عائد کی ہوئی پابندیوں سے آزاد ہے جس کی اطاعت اس نے معبد کی چار دیواری میں اختیار کی تھی۔ کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے خالق کو اپنے جمیع معاملات میں آقا و مالک سمجھ کر اس کے آگے بندہ و غلام کی حیثیت سے مطلق تسلیم و اطاعت کا رویہ نہ اختیار کرے۔ یہی اسلام کی اصل اور بنیادی تعلیم ہے۔

لیکن مغرب کی طویل غلامی نے دین کے اس انقلابی تصور کو ہمارے قلوب و اذہان سے محو کر دیا ہے۔ اب توحید کے نام لیوا بھی اسلام کو انہی معنوں میں ایک مذہب سمجھتے ہیں جن معنوں میں عیسائیت کو ایک مذہب سمجھا جاتا ہے۔ آج مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ معبد کی چار دیواری میں مراسم عبودیت کی ادائیگی کے بعد دین کی اطاعت و اقامت کا حق پورا ہو جاتا ہے اور عبادات کی چند ظاہری شکلوں کو ادا کرنے کے بعد "مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ چند معاشرتی رسوم مثل نکاح و طلاق وغیرہ کی پابندی کے بعد وہ یہ سمجھتا ہے کہ معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن اور عدالت و سیاست کے وسیع میدان میں وہ خدا کے احکام کی پابندی سے آزاد ہے۔ ان شعبوں میں اسے حق حاصل ہے کہ وہ جس شخص یا جس قوم کے نظریات کی چاہے اتباع اختیار کر لے۔

دین کا یہی وہ ناقص مفہوم ہے جس کی کوکھ سے دین و سیاست کی تفریق کا نظریہ جنم لیتا ہے۔ اسی نظریہ کے علمبردار آج یہ نعرہ لگا رہے ہیں

"اسلام ہمارا دین ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے"

ان لوگوں کے نزدیک دین محض نماز، روزے جیسی چند عبادات کا نام ہے اور اس کے بعد عملی زندگی کے ہر شعبے کو یہ لوگ دین سے یکسر متعلق سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دین اور دنیا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں جن کا آپس میں کوئی جوڑ، ربط اور تعلق نہیں ہے۔ دین کا تعلق صرف خدا سے ہے جیسے نماز، روزے، اوراد و وظائف اور پوجا پاٹ سے خوش کیا جا سکتا ہے اور دنیا بنی نوع انسان کی ایک جماعت پر مطلق العنان حق حکمرانی حاصل کر لینے کا نام ہے۔ جس کے انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی شیرازہ بندی کے لیے کسی الہامی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر "ترقی یافتہ قوم" کی اندھی تقلید سے اس ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

بدقسمتی سے دین وسیاست کی تفریق کا یہ نظریہ اس حد تک ہمارے عقول وقلوب پر چھا گیا ہے کہ ہم اپنی روزمرہ گفتگو میں لاشعوری طور پر ایسے جملے اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں جن سے اس نظریے کی توثیق وتائید کی بُو آتی ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا ہم نے اکثر جلسے جلوسوں میں خود علمائے امت کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سُنے ہیں۔

"حضرات! یہ ایک مذہبی جلسہ ہے جو تبلیغ واصلاح کے پیشِ نظر منعقد کیا جارہا ہے۔ اس جلسے کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں کسی کی کرسی اور عہدے سے کوئی تعرض نہیں ہے"

جب سیاست کو اکابرینِ امت ہی شجرِ ممنوعہ قرار دیں تو اوروں کا ذکر ہی کیا۔

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؟

ان پروردگارانِ نورِ علم کی اس قسم کی سخن سازیوں پر ایک دین پسند ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر دین وسیاست کی تفریق کے اس نظریہ کی بنیاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل پر ہے۔ آپ احادیث کا پورا ذخیرہ چھان ماریے، اس نظریے کی توثیق وحمایت میں آپ کو ایک بھی حدیث نہیں ملے گی بلکہ اس کے برعکس پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام کا یہ ارشادِ گرامی اس نظریے کو بیخ دبن سے اکھاڑ پھینکتا ہوا نظر آئے گا:

اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوْاَمَانِ لَا یَصْلُحُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِهٖ فَالْاِسْلَامُ اُسٌّ وَّالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا اُسَّ لَهٗ یُنْهَدِمُ وَمَا لَا حَارِسَ لَهٗ ضَائِعٌ [1]

کہ اسلام اور حکومت وسیاست دو جڑواں بھائی ہیں ان میں سے کسی ایک کی اصلاح دوسرے کے بغیر نہیں ہوسکتی پس اسلام ایک عمارت ہے اور حکومت گویا اس کی محافظ ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس عمارت کی نگرانی نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے

دین وسیاست کی اہمیت حضرت مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے جب آپ دین اور سیاست وحکومت کو لازم وملزوم قرار دے رہے ہیں تو کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ

---

[1] کنز العمال

وہ ان مدنوں کے درمیان افتراق و انقطاع کی دیوار حائل کرے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ ارشاد میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اسلام اور سیاست ایک دوسرے کے بغیر کوئی صالح تمدن اور نیک معاشرہ قائم نہیں کر سکتے۔ سیاسی اقتدار اس وقت تک صالح اور متمدن سوسائٹی کی تشکیل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی پشت پر دینِ اسلام کی وہ اصولی ہدایات موجود نہ ہوں جو دین کی ضامن ہیں اور اسلام اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جب تک اسے کسی خطۂ سرزمین میں آزادانہ سیاسی اقتدار کی فضا حاصل نہ ہو جائے۔ غلامی کی فضا میں اسلام اپنے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ اس لیے اپنے پیروؤں میں عقیدۂ توحید کا صور پھونک کر آزادانہ سیاسی اقتدار کے لیے تڑپ، لگن، آرزوؤں، امنگوں اور ولولوں کی نئی دنیا پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ سیاسی قوت کے بغیر اسلام اور اسلام کے بغیر سیاسی اقتدار مقصود و مطلوبِ مومن نہیں ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ ارشاد سے قطع نظر اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مشن اور مقصدِ ترسیل پر نگاہ ڈالی جائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء و رسل ایک ہی مقصد کی خاطر دنیا میں تشریف لائے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [1]

کہ ہم نے تمام انبیاء کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیں تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ..... [2]

کہ اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ بنایا جس کی نوح علیہ السلام کو وصیت ہوئی تھی۔ اور جس کی آپ کو ہم نے وحی کی اور جس کی وصیت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی گئی کہ وہ دین کو قائم کریں۔

---

[1] الحدید [2] شوریٰ ۱۳

اور پھر جمیع مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ[1]

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنے نام ونشاں تک نہ رہے اور دین (حاکمیت) صرف اللہ ہی کے لیے رہ جائے

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ایسی حکومت کا قیام ہے جس میں تمام لوگوں کو عدل وانصاف کی راہ پر گامزن کیا جا سکے اور تمام مسلمان آزادانہ سیاسی اقتدار میں اپنے دین کے تقاضے پورے کر سکیں، صرف یہی نہیں بلکہ اگر کہیں فتنہ پیدا ہو جائے تو اسے یوں فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے کہ دنیا پر خدا کا دین اپنے تمام سیاسی، سماجی، معاشی، مالیاتی، تمدنی اور عمرانی شعبوں پر قائم ہو جائے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں سیاسی اقتدار کو ہاتھ میں لیے بغیر نہیں ہو سکتیں۔ اسی لیے ہر پیغمبر نے اسلام کے انفرادی اور اجتماعی ضابطۂ حیات کو عملاً نافذ کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگائی۔ اسی مقصدِ وحید کی خاطر حضرت نوح علیہ السلام کوشاں رہے۔ اسی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود میں چھلانگ لگائی۔ اسی کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانۂ ستم بنے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ٹکر لی۔

اگر سیاسی اقتدار کا حصول اور اس کی خاطر کوشاں ہونا بُری بات ہوتی یا کم از کم کسی مسلمان کے تقاضائے دین کا خارجی معاملہ ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر سے یہ کہتے ہوئے دکھائی نہ دیتے:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ

کہا، مجھے ملک کے اختیارات دے دے۔ میں خوب حفاظت کرنے والا، جاننے والا ہوں

حضرت یوسف علیہ السلام کا خود اختیارات مانگنا ——— اور پھر اس کے لیے اپنی تعریف کرنا ——— اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ نگاہِ نبوت میں دینِ اسلام اور سیاسی اختیارات کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے جسے چشمِ رسالت ان میں تفریق برداشت نہیں کر سکتی۔

اگر قرآن پاک کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سرزمینِ مکہ کو خیرباد کہتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کی خاطر سیاسی اقتدار

---

[1] البقرہ: ۱۹۳

کے حصول کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ؀[1]

اے رب! مجھے جہاں بھی تو داخل کر تو سچائی کے ساتھ داخل کر اور جہاں سے بھی نکال تو سچائی کے ساتھ نکال اور کسی اقتدار سلطنت کو (اقامت دین کے لیے) میرا مددگار بنا دے۔

ذرا غور فرمایئے۔ اقتدار سیاسی کے تعاون یا حصول کی یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود نہیں فرما رہے بلکہ خدائے قدوس کے حکم سے آپ یہ دعا فرما رہے ہیں۔ دعا کے الفاظ بھی خدائے قدوس نے بذریعہ وحی آپ کو دیے ہیں۔ اقامت دین کے لیے سیاسی اقتدار کی ضرورت اس لیے ہے کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو صرف قرآنی وعظ و نصیحت ہی سے برائیوں کا قلع قمع کر دے بلکہ اُسے دفع مفاسد کے لیے اور برائیوں کے استیصال کے لیے سیاسی قوت بھی درکار ہے۔ اسی بات کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَیَزَعُ مَا لَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ ؀[2]

بیشک اللہ تعالیٰ حکومت کے زور سے (ان برائیوں کو) مٹا دیتا ہے جن کو قرآنی وعظ و تذکیر سے نہیں مٹایا جا سکتا۔

اس بحث سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اسلام کے احکام کے مکمل نفاذ کے لیے سیاسی قوت کا حصول لازمی ہے۔ اس مقصد کے لیے سیاسی آزادی کا حصول ہر پیغمبر کے منصب رسالت میں شامل رہا ہے۔ جو نبی حصول آزادی کے راستے سے اپنی قوم کو قوت و شوکت کا پیام نہیں دیتا اس کی نبوت ہی مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوتی ؎

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

صرف وہ نبوت ہی جس میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام رد کر دینے کے لیے قابل نہیں بلکہ وہ اسلام بھی قابل استرداد ہے جو غلامی کی فضا میں "اسلام لغیر اللہ" کا روپ دھار لے۔ ایک

---

[1] بنی اسرائیل ۸۰ [2] ابن کثیر

سچے مسلمان کا اسلام اور غلامی یکجا نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مسلمان آزادانہ سیاسی فضا حاصل کرنے کے لیے یا تو مسلسل کوشاں رہتے ہوئے ساحلِ مراد تک جا پہنچتا ہے اور یا وہ اس عظیم مقصد کی راہ میں قربان ہو جاتا ہے ؎

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے یا تختۂ جگ آزادی کی یا تختِ مقام آزادی کا

اگر سیاست کو دین سے علیحدہ کر لیا جائے تو اسلام محض پوجا پاٹ تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ سیاست و حکومت کے بغیر اسلام کی یہ حیثیت محض علم کلام کے ایک فلسفیانہ مسئلے سے کچھ بھی زائد نہ ہو گی ؎

نہ ہو مذہب میں جب زورِ حکومت تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفہ ہے

اور اگر دین کو سیاست سے جدا کر لیا جائے تو سیاست و حکومت کی حیثیت ایک ایسے سرپٹ اسپِ بے لگام کی رہ جاتی ہے جو کسی اخلاقی لگام کی پابندی قبول کیے بغیر دوڑتا رہے اور اپنے مرکب کے لیے ہر گام پر ظلم و تباہی کا پیغام لائے۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

تصریحات

رہ گئے کیونکہ ان کا خسارہ پہلے ہی ناقابلِ برداشت ہے اس پر مزید بوجھ نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے چنانچہ متعدد رسائل نے اپنی قیمتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہم دورانِ سال اس کو مناسب نہ جانتے ہوئے قارئین سے معذرت کے ساتھ تب تک کیلئے نیوز پیپر استعمال کرنے کی اجازت چاہتے ہیں جب تک کاغذ کی قیمتیں اعتدال پر نہیں آجاتیں۔ امید ہے قارئین ہمارے اس عذر کو قبول فرمائیں گے۔